قومی ترقی کا ذریعہ قومی زبان میں تعلیم

اگست 2022

مولوی عبدالحق نمبر

سرپرست اعلیٰ
پروفیسر ڈاکٹر اطہر عطاء
شیخ الجامعہ

مدیر اعلیٰ
ڈاکٹر یاسمین سلطانہ
ڈائریکٹر

پیامِ اُردو
Payam-e-Urdu

وفاقی اردو یونیورسٹی برائے فنون، سائنس اور ٹیکنالوجی

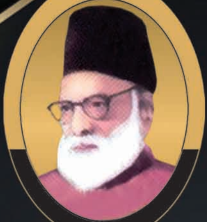

سلام! بابائے اُردوؒ

تاریخ ہمیشہ ان لوگوں کو یاد رکھتی ہے جو کسی عظیم مقصد کے حصول کی خاطر آخری حد تک جدوجہد کرتے ہیں لیکن تاریخ میں مذکور ایسی شخصیات کا شمار انگلیوں پر کیا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر فہمیدہ تبسم

برصغیر پاک و ہند کی مسلم تاریخ میں دو ایسی عالی مرتبت شخصیات ہیں جنہیں بابا کا لقب عطا ہوا اول بابائے قوم حضرت قائداعظمؒ اور ثانیاً بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحقؒ ایک ہستی پاکستان کی بنیاد رکھنے کا باعث بنی اور دوسری ہستی اس مملکت خداداد کے تہذیبی ورثے کی ترجمان زبان اردو کی ترویج و اشاعت میں ایسی جاں نثاری کے ساتھ مگن ہوئی کہ جہان اردو کی تاجداری کا شرف حاصل کر لیا۔ بابائے اردو اس قوم کے وہ محسن ہیں جنہوں نے آنے والے زمانوں کے تیور بھانپ لئے تھے۔ انہیں بخوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ پاکستان اور اردو لازم و ملزوم ہیں اور جلد یا بدیر پاکستان کی قومی و سرکاری زبان اردو ہو گی۔ مولوی عبدالحق سرسید احمد خان کے مکتبۂ فکر سے تعلق رکھتے تھے اور ہم میں سے اکثر لوگ جانتے ہیں کہ اردو ہندی تنازع کے علاوہ جس چیز نے سرسید کی سوچ میں نمایاں تبدیلی پیدا کی اور انہیں مسلم قوم کو الگ وطن کی جدوجہد کی ترغیب پر ابھارا وہ بنارس کے ریلوے سٹیشن پر ہندو مسلم پانی کی الگ الگ سبیلیں تھیں۔ سرسید نے جان لیا کہ وہ اقوام جو جداگانہ تشخص اور تہذیبی روایات کی حامل ہوں زیادہ عرصہ باہم اکھٹے نہیں رہ سکتیں انھیں الگ ہونا ہی پڑتا ہے۔ مولوی عبدالحق کے ذہن رساء نے بھی گاندھی کی متعصّبانہ سوچ سے اردو دشمنی کی بو پا کر اردو کے فروغ کے لئے تن من دھن ایک کر دیا۔ قیام پاکستان سے پہلے گاندھی نے مولوی عبدالحق کی موجودگی میں اردو کی تشکیل میں عربی، فارسی الفاظ کے شمول کی وجہ سے اسے مسلمانوں کی زبان قرار دیا اور دیوناگری رسم الخط کی حمایت بھی اسی بنیاد پر کی۔ گاندھی جیسے متعصب ہندو رہنماؤں کی وجہ سے مسلم اکابرین بھی اردو کی تہذیبی و لسانی اہمیت سے آشنا ہوئے۔ مولوی عبدالحق ان تمام قائدین کے قافلے کے فکری سالار ہیں۔ انہوں نے ہر محاذ پر اردو کا پرچم سربلند کئے رکھا حالات خواہ جیسے بھی رہے انہوں نے اپنے مقصد سے روگردانی نہیں کی اردو کے لئے زندہ رہے اور اردو یونیورسٹی کے احاطے میں مدفون ہوئے۔

بابائے اردو چونکہ سرسید احمد خان کے تلامذہ میں شامل تھے لہٰذا ان کی فکر و عمل پہ سرسید کی ترقی پسند سوچ کے اثرات پورے طور پر موجود ہیں سرسید نے وقت کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے انگریزی تعلیم کے حصول پہ زور دیا لیکن وہ اردو کی اہمیت سے بھی غافل نہیں تھے شاندار ماضی کی بازیافت کے علاوہ دیگر اصناف ادب اردو بھی ان کی ترجیحات میں شامل تھیں۔ مولوی صاحب نے بھی نہ صرف اردو کی بالادستی کے لئے شب و روز ایک کیے بلکہ اردو کے قدیم نثری سرمایے کو بھی تحقیق و تدوین کی کسوٹی پہ پرکھا اور عام کیا۔ بابائے اردو کی تحقیقی، تخلیقی، تنقیدی اور نثری خدمات کا وسیع دائرہ موجود ہے۔ ان کی شگفتہ نثر

آج بھی پڑھنے والوں کو سرسید تحریک کی جامعیت اور مقصدیت واضح کرتی ہے۔ مولوی صاحب کے علمی و ادبی کارنامے سرسید تحریک کا ہی تسلسل ہیں بلکہ سرسید تحریک کی روح جدید روپ میں مولوی صاحب کے علمی کارناموں میں زندہ ہے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سرسید کا خواب تھا اور اردو یونیورسٹی بھی اس خواب کا حصہ تھی جسے بابائے اردو کی کاوشوں نے شرمندہ تعبیر کیا۔ شبلی کا شکوہ ماضی، حالی کی نقد و نظر، سرسید کی مقصدیت، ڈپٹی نذیر احمد کا تخلیقی جوہر سمٹ کر ڈاکٹر مولوی عبدالحق کی ادبی شخصیت میں رچ بس گیا جس کی ترجمانی ان تخلیقات و تصنیفات سے ہوتی ہے جو مولوی صاحب کے قلم کا شاہکار ہیں۔

مولوی صاحب اپنی ذات میں انجمن تھے ان کی شخصیت کی بے مثال جہات پر تفصیلی بات کیلئے یہ صفحات ناکافی ہیں۔ اس مختصر مضمون کا مقصد فقط ان کو خراج تحسین پیش کرنا ہے کہ اگر ان کی لگن ان کا جنون اور ان کا آہنی عزم نہ ہوتا تو آج اردو کے حق میں کوئی آواز نہ اٹھتی۔ آج اردو کے فروغ کے لئے متعدد ادارے موجود ہیں۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی طرح وفاقی اردو یونیورسٹی بھی پاکستان کے جداگانہ قومی تشخص کی ایک زندہ و جاوید علامت کے طور پر قائم ہے۔ انجمن ترقی اردو، ادارہ فروغ قومی زبان ،اکادمی ادبیات ،مجلس ترقی ادب، اردو سائنس بورڈ سمیت متعدد اداروں کے قیام کے پس منظر میں مولوی عبدالحق کی مساعی موجود ہے۔ مولوی صاحب نے انگریزی کی اہمیت کو کم نہیں کیا بلکہ انہوں نے ہمیں سکھایا کہ اپنا وطن اور اپنی زبان دراصل ہماری بین الاقوامی سطح پر پہچان ہیں۔

اللہ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ آمین۔

ہم سب پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم جو بابائے اردو کی روحانی اولاد ہیں اپنے بابا کے عظیم مشن کی تکمیل کے لئے ہر سطح پر جدوجہد کریں اور اردو کو پاکستان کی سرکاری زبان کی حیثیت دلوانے کے لئے اپنا کردار ادا کریں تاکہ پاکستان کے قیام کا ایک اہم مقصد یعنی ’’اپنی تہذیب اور تشخص کی حفاظت‘‘ ممکن ہو سکے۔

محسنِ اُردو

ہر سال 16 اگست بابائے اردو مولوی عبدالحق کی برسی منائی جاتی ہے اس موقع پر شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ کی جانب سے اردو کے محسن کی خدمات کی یاد میں ایک مجلّہ ’’مولوی عبدالحق نمبر‘‘ شائع کیا جا رہا ہے جس کیلئے ڈائریکٹر شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ/ صدر شعبہ اردو پروفیسر ڈاکٹر یاسمین سلطانہ صاحبہ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

پروفیسر ڈاکٹر عبدالمالک

بابائے اردو مولوی عبدالحق نے اردو زبان و ادب کی جو خدمات کیں وہ رہتی دنیا تک قائم و دائم رہیں گی۔ اردو کالج کا قیام ان کا عظیم کارنامہ تھا جو پاکستان میں قومی زبان کے ذریعہ اعلیٰ تعلیم و تدریسی فرائض احسن طریقے سے انجام دے رہا ہے۔ جس کے ثمرات اس طرح سامنے آئے کہ ثانوی اور اعلیٰ ثانوی سطح تک اردو کو لازمی اور اختیاری مضمون کی حیثیت حاصل ہے اور نہ صرف یہ کہ پاکستان کی تمام جامعات میں اردو میں امتحان دیا جاتا ہے بلکہ ایم اے اور قانون کی اعلیٰ تعلیم ایل ایل ایم کی تدریس بھی اردو میں دی جاتی ہے اور یہ اعزاز اردو یونیورسٹی کو جاتا ہے کہ ایل ایل ایم کی تدریس کا آغاز سب سے پہلے اردو یونیورسٹی کراچی سے شروع ہوا۔ بابائے اردو بڑی متنوع شخصیت کے مالک تھے، وہ بیک وقت تحریک اردو کے قائد ادب ہیں اور تحقیق، ماہر لسانیات، نعت نویسی اور قوائد اردو کی کتابوں کے مصنف ہیں ان کی تحریروں میں تحقیق کا امتزاج انہیں درجہ امتیاز عطا کرتا ہے، انہیں اس بات کا یقین تھا کہ تحقیق کے ذریعہ ہی علم میں اضافہ ممکن ہو سکتا ہے اور کالج ان کی زندہ و پائندہ یادگار رہے۔

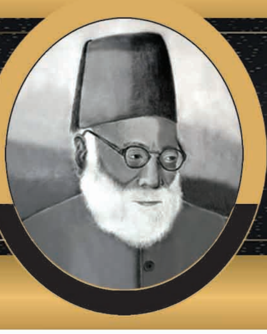

ایک سوال کا ایک جواب

ماہ اگست میں کراچی کی بارشوں کی طوفان خیزی کا مقابلہ کرتے بھیگتے بھاگتے ہم جیسے ہی اپنی مادر علمی اور اب وسیلہ رزقی جامعہ اردو سے گھر پہنچے تو نہا دھو کر سیدھا بستر کا رخ کیا تھکن نے آج ہی ساری کسر نکالنی تھی سو نکالی مگر

محترمہ سیما ناز صدیقی

ساتھ ہی بالکل ہی اچانک غیر متوقع طور پر ہماری دیرینہ آرزو یعنی ملاقات بابائے اردو مولوی عبدالحق صاحب سے غیب سے پوری ہوگئی وہی بابائے اردو جنہیں ہم سب آج محسن اردو کی حیثیت سے بخوبی جانتے ہیں، ملاقات کیا تھی گویا ایک طلسم تھا ایک سحر تھا زبان اردو کا جی چاہتا تھا کہ آج تک جو بھی من میں ہے زبان اردو اور بابائے اردو کے حوالے سے سب کا سب اس عظیم ہستی سے گوش گزار کر ڈالیں کچھ ان کی سنیں کچھ اپنی سنائیں مگر شومئی قسمت اپنی کم علمی اور کوتاہ عملی آڑے آئی وقت کی کمی اس حوالے سے دوسرا بڑا شاخسانہ تھی تیسرے یہ کہ اپنی اس ملاقات کا احوال جلد از جلد مختصر ترین الفاظ میں آپ تک پہنچانے کی بھی خواہش تھی لہٰذا سوچا کہ مولوی صاحب سے صرف ایک سوال کیا جائے اور ان کا ایک جواب مسلسل خاموش رہ کر سنا جائے تاکہ کچھ تو اندازہ ہو کہ بابائے اردو اب کیا سوچتے ہیں کیا چاہتے ہیں سو یہی سب کچھ ذہن میں رکھ کر بہت سوچ بچار کے بعد انتہائی ادب اور شائستگی کے ساتھ ہم نے زبان اردو کی اس نابغہ روزگار شخصیت، عظیم محقق، شیدائے اردو، بے مثل سوانح نگار، اصطلاح ساز، مصنف و تخلیق کار قوائد و لغت اردو، خاکہ نگار، قوم کے ہمدرد اور سب سے بڑھ کر ''جامعہ اردو'' کا خواب دیکھنے والے مولوی عبدالحق سے اپنا واحد و اکلوتا معصومانہ سا سوال کر ہی ڈالا گو کہ سچ پوچھیں تو اس وقت اس ملاقات کے حوالے سے ہم ہواؤں میں اُڑ رہے تھے اور یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ مولوی صاحب ہم جیسی ناچیز کے روبرو تشریف فرما ہیں ہم نے پوچھا باباآ آپ کا خواب ''جامعہ اردو'' آج تعبیر پا چکا ہے کیا آپ مطمئن ہیں آج اس تعبیر سے؟ جواب میں مولوی صاحب نے ایسی طنز بھری مسکراتی نظروں سے ہمیں دیکھا کہ ہم سمجھ گئے کہ '' کچھ بھی نہ کہا اور کہہ بھی گئے'' پھر چند لمحات توقف کے بعد کہا میرا جواب تمہارے سوال کی طرح ایک ہی ہوگا مگر ہو گا طویل برداشت کرنا پڑے گا پھر تمہیں، اب تم ہی بتاؤ؟ تم مطمئن ہو خود اس ''جامعہ اردو'' سے ہم نے کھسیا کر خاموشی اختیار کرنا ہی مناسب سمجھا سو چپ رہے اور پھر مسکرا دیئے بولے بیٹا کوئی بھی جامعہ جب بنائی جاتی ہے تو پہلے اس کے قیام کے حوالے سے بڑا غور و خوض کرنا پڑتا ہے باقائدہ رپورٹ تیار ہوتی ہے اس کے فوائد و نقصانات پر متعلقہ اور جید لوگوں کی رائے لی جاتی ہے اس کے ترقی کے حوالے سے کئی سالوں پر محیط منصوبہ بندی کی جاتی ہے جبکہ جامعہ اردو کی تشکیل میں مجھے ایسا کوئی خاص عمل نظر نہیں آیا البتہ ڈاکٹر عطاء الرحمٰن نے اس وقت کے صدر پاکستان جنرل پرویز مشرف سے مارے محبت کے پل بھر میں جامعہ اردو کے قیام کا اعلان تو کروا دیا مگر کوئی باقائدہ منصوبہ بندی نہیں کی جس کا نقصان آج تک جامعہ اردو کو برداشت کرنا پڑ رہا ہے سب سے زیادہ ضرورت ایک اچھی جامعہ کو سرمائے کی ہوتی ہے ارباب اختیار نے آج تک اس حوالے سے کوئی واضع پالیسی مرتب ہی نہیں کی تم خود سوچو قومی زبان کے حوالے سے یہ پورے ملک کی واحد اور ایسی منفرد جامعہ ہے جس کے کیمپس پاکستان کے ہر شہر میں حتیٰ کہ بیرون ملک بھی قائم ہو سکتے ہیں اس وقت بھی اس کے تین بڑے کیمپسز میں ہزاروں طلباء تعلیم حاصل کر رہے ہیں مگر سرمائے کی کمی جامعہ کی ترقی میں ہمیشہ آڑے آتی رہتی ہے ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ قومی زبان میں تعلیم دینے والی اس درسگاہ کیلئے تو خصوصی فنڈ مختص کیئے جاتے، طلباء اور اساتذہ کو خصوصی وظائف ملتے طلباء کی فیس معاف ہوتی مگر ایسا کچھ نظر نہیں

آ تا سب چھوڑو مجھے تو انتہائی دکھ ہوتا ہے جب اقتدار کے حلقوں میں دبے دبے الفاظ میں اس کے نام پر ہی اعتراض اٹھایا جاتا ہے کوئی کہتا ہے اس جامعہ کا نام مولوی عبدالحق جامعہ ہوتا تو بہتر تھا کیوں بھئی اردو میں کیا برائی ہے بھلا میں نے تو قیام پاکستان کے بعد جس جامعہ اردو کے قیام کا سوچا تھا تو میرے ذہن میں تو یہ جامعہ اردو دراصل جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن کا پرتو ہوتی، جامعہ عثمانیہ سے جس طرح فارغ التحصیل طلباء ساری دنیا میں بحثیت ڈاکٹرز، انجینئرز، سائنسدان اور فنون کی دنیا میں اپنی شناخت منواتے رہے ہیں بالکل اسی طرح یہاں کے طلباء کرتے، میں نے سوچا تھا کہ قیام پاکستان کے بعد میں ملک میں ایک ایسی جامعہ اردو کے قیام کی کوشش کروں گا جہاں ہر پاکستانی نوجوان اپنی ہی قومی زبان میں نہ صرف فنون بلکہ سائنس، تجارت، قانون، تاریخ، مذہب، طب اور انجینئرنگ کے علاوہ علم النجوم، منطق اور ساری دنیا کے جدید ترین مروجہ علوم سیکھے گا۔ یہ درسگاہ تحقیق و جستجو کو پروان چڑھائے گی یہاں کے تحقیق دان ساری دنیا کیلئے مثال ہوں گے یہاں پر کی جانے والی تحقیقات ہماری صنعتوں اور ہماری تجارتی منڈیوں کیلئے نت نئے راستے پیدا کرے گی ہمارے یہاں سے قومی نوعیت کے معاملات پر بہترین قانونی معاونت میسر ہوگی یہاں کی جانے والی تحقیق صرف ذاتی مفادات کے حصول کیلئے نہیں بلکہ ملک کی عزت و وقار میں اضافے کا باعث ہوا کرے گی ہمارے نوجوان کیلئے جامعہ اردو صرف ڈگریاں بانٹنے والی صنعت نہیں بلکہ فکر و عمل کے نت نئے جدید ترین رجحانات کو پروان چڑھانے والی عظیم درسگاہ ہوگی اردو ذریعہ تعلیم میری قوم کو اس انگریزوں کے عطاء کردہ احساس کمتری اور محرومی سے نجات دلوائے گی جس کے زیر اثر میری یہ قوم طویل عرصہ تک پسماندگی کا شکار رہی میرے خیالوں کی جامعہ اردو نے میرے نوجوانوں میں تعلیم و تربیت کا ایسا انداز پروان چڑھانا تھا جو نہ صرف ملک پاکستان بلکہ ساری دنیا میں ایک انتہائی منفرد مثبت انداز کا ادبی، سیاسی، سماجی اور اقتصادی انقلاب برپا کرنے کا باعث بنتا یہاں سے پھوٹنے والے علم کے صوتوں نے سارے عالم کو جگمگا دینا تھا میں چاہتا تھا کہ اس جامعہ اردو میں ایسا معیار اور جدید انداز کا دارالترجمہ بھی قائم کروں جہاں اساتذہ ابتداء میں اپنے لیکچرز کے ذریعے اردو میں جدید علوم کو منتقل کر کے اردو میں علم کے خزانے کی کمی کو بڑی حد تک پورا کریں بعد ازاں یہاں سے ساری دنیا کے جو جدید ترین تحقیقات پر مبنی جرائد، رسائل، کتب اور اخبارات انگریزی، فرانسیسی، جاپانی اور چینی زبانوں میں شائع ہوتے ہیں ان کے تراجم اردو زبان میں شائع کر کے نہ صرف درسی ضروریات کو پورا کیا جائے بلکہ اس کی بدولت معاشرہ میں بھی کتب بینی کو فروغ دیا جا سکے اور ادبی ذوق پروان چڑھایا جائے۔ مجھے امید تھی کہ جامعہ اردو کے قیام و ترقی میں انجمن ترقی اردو بھی اپنا نمایاں کردار ادا کرے گی مگر انجمن نے تو اب تک خود اپنے ہی یہاں نوجوانوں کی ممبر سازی نہیں کی ہے وہ جامعہ اردو کے نوجوانوں کیلئے کیا کرسکتی ہے۔ میرے نزدیک جامعہ اردو کا قیام ایک تحریک کا آغاز تھا ایسی تحریک جس میں اس کے سرپرست سے لے کر ہر متعلقہ فرد کو اردو کے حوالے سے انتھک کام کر کے اپنا حصہ ڈالنا تھا مگر بدقسمتی سے موجودہ جامعہ اردو ابتداء ہی سے نہ صرف اپنے شیخ الجامعہ کے حوالے سے ہی متنازعہ بنادی گئی بلکہ اس جامعہ کو کمزور کرنے میں یہاں پر دن بدن بڑھتی سیاست نے اس کو کہیں کا نہیں چھوڑا رہی سہی کسر اس کے سیاسی سرپرستوں کے زیر سایہ پنپنے والی کرپشن، اقرباء پروری، ترقیوں کے باضابطہ طریقہ کار کی غیر موجودگی اور ذاتی مفادات کے حصول کی خواہشوں نے پوری کردی مگر میں اب بھی مایوس نہیں ہوں مجھے یقین ہے کہ اگر آج بھی تم سب متعلقین جامعہ اردو کی بقاء اپنی جامعہ اردو کیلئے ایک ہو کر کھڑے ہو گئے تو وہ دن دور نہیں جب یہی تمہارا ادارہ تمہاری جامعہ اردو میرے خواب کی مکمل تصویر بن جائے ابھی مولوی صاحب نے اپنی بات شاید ختم بھی نہ کی تھی کہ بادل اتنی زور سے گرجا کہ ہماری آنکھ مارے خوف کے کھل گئی اور ہم حیران پریشان کبھی خود کو دیکھ رہے تھے اور کبھی اپنے اس خواب کے بارے میں سوچ رہے تھے کہ شکر خدا یہ خواب صرف ایک خواب ہی تھا بس!

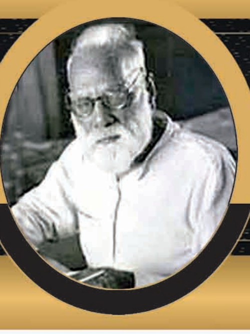

بابائے اردو کی اردو لغت میں حیدرآباد دکن کا کردار

بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق اردو زبان وادب کے بڑے محقق نقاد، خاکہ نگار اور خطبہ ومقدمہ نگار بھی تھے۔ قدیم دکن مخطوطات کی تلاش وجستجو کے بعد انہیں اعلیٰ طریقے سے مرتب کر کے انہوں نے ادبی تاریخ کے کئی گمنام گوشوں کو حیات جاوداں عطاء کی۔ اس نو دریافت کتب پر انہوں نے محنت و جانفشانی سے ''مقدمے''، ''حاشیئے'' اور صحت متن کے اعلیٰ نمونے پیش کئے ''معراج عاشقین'' ''سب رس''، ''قطب مشتری''، ''گلشن عشق'' اور علی نامہ'' جیسی تصانیف آپ ہی کی بدولت منظر عام پر آئی ہیں۔ ''اردو کی نشونماء میں علمائے کرام کا حصہ''، اپنے موضوع کے اعتبار سے بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے ''چند ہم عصر'' میں بابائے اردو نے اپنے معاصرین کے ''خاکے'' بڑے دلکش اور اچھوتے انداز میں تحریر کئے ہیں جس میں حقائق کے ساتھ دلچسپ اور موثر پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر سید وسیم الدین

مولوی عبدالحق کی تحریک پر حکومت حیدرآباد نے اپنی روایتی فیاضی اور علمی سرپرستی کے ذریعہ کس طرح زر کثیر کے صرفہ سے ایک (Project) کو تکمیل کے آخری مرحلہ میں پہنچا دیا تھا اس کا اندازہ آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز میں محفوظ ریکارڈ کی مدد سے تحریر کئے گئے اس مضمون سے لگایا جاسکتا ہے اس لغت کی تیاری کے لئے حکومت حیدرآباد نے مولوی عبدالحق کو دس سال تک ماہانہ ایک ہزار روپیہ کی امداد دی۔ لغت کی تیاری کے بعد اس کی طباعت کی غرض سے مونو ٹائپ مشین کی خریداری کے لئے منظوری دی گئی اور مولوی عبدالحق کی سفارش پر پروف ریڈنگ کے لئے مولوی احتشام الدین کا ایک سال کی مدت کے لئے تقرر عمل میں آیا اس (Project) پر حکومت حیدرآباد نے 91 سال قبل خصوصی طور پر جو رقومات صرف کیں اس کی قدر آج کروڑوں روپوں میں شمار کی جاسکتی ہے۔ لیکن یہ مقام حیرت ہے کہ اتنی کثیر رقم کی منظوری کے باوجود یہ لغت حیدرآباد میں شائع نہ ہوسکی کیونکہ لغت کا مسودہ حکومت حیدرآباد کے حوالے ہی نہیں کیا گیا۔ حکومت حیدرآباد کے اس مستند ریکارڈ سے پہلی بار مولوی عبدالحق کی اردو لغت سے متعلق حقائق سامنے آئے جس میں سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ایسے حقائق ہیں جن سے اردو زبان اور اس کے علمی وتحقیقی اثاثہ کا گہرا تعلق ہے۔

حیدرآباد دکن کے معروف محقق، کالم نگار ڈاکٹر سید داؤد اشرف اپنی کتاب ''حاصل تحقیق'' (1992) ص نمبر 125 پر لکھتے ہیں کہ......

یہ جان کر افسوس ہوتا ہے کہ جو عظیم کام حیدرآباد میں برسہا برس کی کدوکاوش عرق ریزی اور ذرائع بشمول مالیہ کی فراہمی کے نتیجہ میں مکمل ہوچکا تھا وہ محض اس کمی و کوتاہی کی بناء پر ضائع ہوگیا۔ انجمن ترقی اردو پاکستان کی سالانہ روئیدا (1954-1955) کے بموجب ملک کی تقسیم کے موقع پر دہلی میں جو فساد برپا ہوا تھا مولوی عبدالحق کے پاس موجود اس لغت کا مسودہ اس ہنگامہ میں تلف ہوگیا۔ انجمن ترقی اردو پاکستان کی سالانہ روئیداد (1955-1956) میں مولوی عبدالحق نے لکھا ہے کہ وہ انہیں پاکستان میں نئے سرے سے تنہا لغت کا کام پھر سے شروع کرنا پڑا اور خود ان کے ان الفاظ ہیں بڑی کاوش ومحبت کے بعد تین حرف الف ب ج مکمل ہوئے ہیں بعد ازاں اس کام کا ایک بڑا حصہ ''لغت کبیرت'' کے نام سے پاکستان سے شائع ہوچکا ہے۔ میں ڈاکٹر داؤد اشرف کی اس بات سے اتفاق کروں گا کہ اگر کام محفوظ رہ جاتا تو اس سے اردو دنیا محروم نہ رہتی اور یقیناً اردو زبان اور ادب کو وہ بیش بہا فائدہ اس قدر پہنچتا کہ جس کا اندازہ لگانا ممکن نہیں ہے۔

آخر میں میں مولوی عبدالحق کا یہ پیغام جو انہوں نے ''نام دیو مالی'' کے بارے میں لکھا ہے نذر قارئین کر کے اجازت چاہوں گا کہ......

''حساب کے دن جب اعمال کی جانچ پڑتال ہوگی خدا یہ نہیں پوچھے گا کہ تو نے کتنی اور کس کی پوجا پاٹ یا عبادت کی، وہ کسی کی عبادت کا محتاج نہیں وہ پوچھے گا تو یہ پوچھے گا کہ میں نے یہ استعداد تجھ میں ودیعت کی تھی اسے کمال تک پہنچانے اور اس

سے کام لینے میں تو نے کیا کیا اور خلق خدا کو اس سے کیا فیض پہنچا۔

جب جب اردو زبان کی تاریخ لکھی جائے گی جامعہ عثمانیہ دارالترجمہ اور اردو میں اعلیٰ ادب کا ذکر آئے گا تو مولوی عبدالحق کا ذکر ضرور شامل ہوگا۔

مولوی عبدالحق کے نام

تیاگ دی زندگی جنہوں نے
زبان اردو کی پرورش میں
زبان اردو میں علم پھیلے
یہی تھی خواہش دل میں ان کے
ان ہی کی کاوش کا ہے نتیجہ
کھلے تھے مکتب جہاں کہیں بھی
علمی شگوفے کِھل رہے تھے
اردو کی خوشبو مہک رہی تھی
شناخت دی اردو زبان کو جس نے
وہ مرد حق باکمال خود تھا
عشق اردو سے اتنا گہرا
بابائے اردو لقب تھا جن کا
اک نشانی یہاں بھی ہے عطیہ
جامعہ اردو ہے نام اس کا

ڈاکٹر عطیہ حسن

خاکہ نگاری کا فن اور مولوی عبدالحق

اردو میں خاکہ نگاری کا سرمایہ زیادہ نہیں۔ نذیر احمد کی کہانی کچھ ان کی اپنی زبانی ’’مردم دیدہ‘‘ گنج ہائے گراں مایہ‘‘ ’’چند ہم عصر‘‘ ’’جناب‘‘ ’’آپ‘‘ ’’شیش محل‘‘ اور اسی قسم کی چند تصانیف ہیں۔ جن کے نام انگلیوں پر گنوائے جاسکتے ہیں اردو خاکہ نگاری کے اس سرمائے میں مولوی عبدالحق کی ’’چند ہم عصر‘‘ ایک نمایاں مقام کی حامل ہے۔

ڈاکٹر یوسف حسنی

’’چند ہم عصر‘‘ میں چوبیس خاکے ہیں۔ ان میں سے ایک تقریر ہے (سید محمود) ایک خط ہے (امتیاز الدین بنام ہاشمی فرید آبادی) امیر مینائی پر خاکہ خاکے سے زیادہ سوانحی مضمون ہے جس میں ان کے حالات زندگی پیش کر کے ان کے کارناموں سے سنجیدہ بحث کی گئی ہے۔ ان تین خاکوں کو اگر مولوی عبدالحق ’’چند ہم عصر‘‘ میں شامل نہ کرتے تو شاید ان کے لئے بہتر ہوتا۔

ڈاکٹر محمود کے انتقال پر ان کی تقریر دردمندی اور سوز و گداز کے باعث خاصے کی چیز ہے حالی، محمد علی، چراغ علی، سید علی بلگرامی اور محسن الملک کے خاکے دلچسپ اور جاندار ہیں۔ ان خاکوں میں مولوی عبدالحق کا رویہ عموماً ہمدردانہ ہے۔ خاکے کو واقعات کی کھتونی بنانے سے اجتناب کیا گیا ہے اور اسلوب بھی ادبی اور نکھرا ہوا ہے۔

مولوی صاحب خاکہ نگاری کے وقت خالی الذہن نہیں رہ پاتے۔ ان کے ذہن میں اخلاقی اقدار کے لئے تحسین کا جذبہ مچلتا رہتا ہے۔ ان قدروں کو وہ ہر شخص میں دیکھنا چاہتے ہیں اور جہاں گنجائش نکلتی ہے ان اچھی اچھی باتوں کی تبلیغ کئے بغیر نہیں رہتے۔

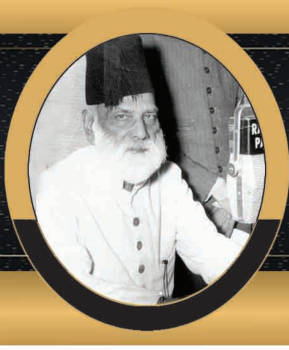

''چند ہم عصر'' کا مطالعہ ایک اور پہلو سے البتہ مفید ہے۔اس آئینے میں آئینہ ساز کا عکس نظر آتا ہے۔خود مولوی عبدالحق کی سیرت و کردار کے مطالعے کیلئے یہ خاکے بڑے مفید ہیں۔ان خاکوں کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ خلوص، سادگی، نیک نیتی، ایمانداری اور کام کی لگن ایسی خصوصیات ہیں جو موصوف کو بہت عزیز ہیں جن لوگوں میں وہ یہ خصوصیات پاتے ہیں ان کی تعریف کرتے ہیں اور بار بار ان خوبیوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔جاننے والے جانتے ہیں کہ مولوی صاحب ان اوصاف سے مالا مال تھے۔

مولوی عبدالحق نثر کے اس دبستان سے تعلق رکھتے ہیں جسے ''حالؔی اسکول'' کہا جاتا ہے۔سیدھی سادی زبان، روزمرہ اور عام استعمال میں آنے والے الفاظ سلجھے ہوئے مختصر جملے اور واضح بیانات اس اسلوب کی خصوصیات ہیں۔مولوی عبدالحق حالی کی ذات سے ہی نہیں ان کے اسلوب سے بھی متاثر ہوتے ہیں اس لئے ان کی نثر میں یہ خصوصیات موجود ہیں۔وہ زبان و بیان میں الجھاؤ پسند نہیں کرتے خوامخواہ عربی فارسی الفاظ اور محاوروں کا استعمال انہیں گوارا نہیں۔اپنی علمیت کے استعمال سے انہیں دلچسپی نہیں۔وہ تو وہی اردو نثر لکھتے ہیں جس کے بارے میں خیال ہے کہ برصغیر کی مشترکہ زبان بننے کے لئے صرف یہی زبان موزوں ہوسکتی ہے اور وہ ہے عربی، فارسی اور سنسکرت کے غیر ضروری الفاظ سے اجتناب کرنے والی زبان۔

مولوی عبدالحق کی سادگی میں بڑی پرکاری ہے۔وہ عام زبان اور روزمرہ کے الفاظ سے وہ کام لیتے ہیں جو محاوروں اور لچھے دار عبارتوں سے نہیں ہوسکتا۔لفظ ان کی عبارت میں آکر منہ سے بولنے لگتے ہیں اور اپنی جگہ اس طرح ناگزیر ہوجاتے ہیں کہ عبارت کا سارا حسن انہیں پر منحصر ہوجاتا ہے۔''چند ہم عصر'' کے خاکوں میں وہ علمی مضامین والی زبان کے پابند نہیں تھے اس لئے ان کے اسلوب کی خوبیاں اور خامیاں انہیں خاکوں سے ظاہر ہوتی ہیں۔وہ معاصرین کی خوبیوں اور خامیوں پر بے لاگ تبصرے کرتے ہیں۔مولانا محمد علی کے مزاج کی انتہا پسندی کے بارے میں لکھتے ہیں۔

''وہ آزادی کا دلدادہ اور مہر و استبداد کا پکا دشمن تھا۔لیکن اگر کبھی اس کے ہاتھ اقتدار آتا تو وہ بڑا جابر اور پرتشدد ہوتا۔وہ محبت و مروت کا پتلا تھا اور دوستوں پر جان نثار کرنے کو تیار رہتا تھا۔بعض اوقات ذرا سی بات پر اس قدر آگ بگولا ہوجاتا تھا کہ ''محبت طاق پر دھری رہ جاتی''۔

قادر بلگرامی کے کردار پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''شعر اس جوش سے پڑھتا تھا کہ گویا شعر کے جگر میں گھسا جاتا تھا تواضع اس طرح کرتا تھا جیسے کوئی کسی سے لڑتا ہو''

''بڑی سادہ طبیعت آدمی تھے۔مصلحت، سلیقے اور صفائی کا داغ ان کے دامن پر نہ تھا''

ڈاکٹر محمود کی شراب نوشی کا ذکر اس طرح کیا ہے جیسے یہ بھی کوئی خوبی ہو وہ خواجہ حافظ کی غزلیں، قطعات ابن یمین اور عمر خیام کی رباعیات پڑھتا اور مزے لیتا حتیٰ کہ اس پر عمل بھی کرتا، ان کے خاکوں میں وہ ادبی رکھ رکھاؤ اور سنجیدگی ہے جو ان کی فطرت کا تقاضا تھا ان پر حالی کا ایک اثر یہ بھی ہے کہ وہ اپنی تحریروں میں اکثر انگریزی الفاظ استعمال کرجاتے ہیں مثلاً سوشل رفارم، سیلف ہیلپ، ہیئر کٹنگ سیلون وغیرہ۔

مجموعی طور پر ان کا اسلوب اردو نثر کیلئے بڑے کام کا ثابت ہوتا ہے۔

ہم نے ابھی نثر لکھنا نہیں سیکھا ہے اردو ذہن پر شاعری خصوصاً غزلی روایات کا سایہ ہے ہم اس نثر کو پسند کرتے ہیں جس میں شعر کی چاشنی ہو۔اس لئے ہمارے ہاں محمد حسین آزاد، ابوالکلام آزاد، نیاز فتح پوری اور مہدی افادی کے اسلوب کی پرستش ہوتی ہے حالؔی نے نثر کو شعر کی اس دلدل سے نکالنے کی کوشش کی۔مولوی صاحب نے اس روایت کو آگے بڑھایا اور نثر کی طرح برتا ہے۔ان کی سادگی میں پرکاری ہے۔ان کی بے تکلفی میں رکھ رکھاؤ ہے۔ان کے طنز میں سنجیدگی ہے اور ان کی زبان میں ایک ایسی حلاوت ہے کہ لفاظی اور سخن طرازی اس کا بدل نہیں ہوسکتیں۔

(اُردو) نام تو سُنا ہوگا۔۔۔۔

سلیقے سے ہواؤں میں جو خوشبو گھول سکتے ہیں
ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جو اردو بول سکتے ہیں

عنوان سے جان تو گئے ہوں گے آج جس موضوع پر میں بات کرنے جا رہی ہوں اس کے حوالے سے جدید دور جسے ٹیکنالوجی کا دور کہا جاتا ہے نہایت ہی حقیر اور غیر اہم سمجھا جاتا ہے۔ آج زبان کو معیار بنا لیا گیا ہے گویا زبان نہ ہوئی کوئی علامتی نشان ہو، حالانکہ ایسا نہیں کہ اس صورتحال میں ہم نے اردو زبان کا استعمال ترک کر دیا ہو استعمال تو ہے اس حوالے سے مولوی عبدالحق کے مضمون حامیان اردو میں کیا خوب مثال دی ہے کہ ہر وہ چیز جو نظر کے سامنے ہو اس کو اہمیت نہیں دیتے اور جو نظر سے اوجھل ہوتا ہے اسے اہمیت دیتے ہیں بالکل یہی حال ہماری زبان کا بھی ہے ہم کسی دوسری زبان کے لکھنے یا بولنے میں اس بات کا خاص خیال رکھتے ہیں کہ کہیں کوئی بھول چوک نہ ہو جائے، ہم پوری کوشش کرتے ہیں کہ ہم بالکل اسی انداز سے دوسری زبان کی ادائیگی کریں جیسے وہ بولی جاتی ہے۔لیکن اپنی زبان سیکھنے پہ وہ توجہ نہیں دیتے۔ حالانکہ اردو زبان کی جدوجہد پاکستان کی تحریک آزادی کی جدوجہد سے کم نہیں۔ برصغیر پاک و ہند میں جب فارسی اور ہندی اپنے عروج پر تھی وہیں اس زبان نے جنم لیا اور فارسی و ہندی اور دیگر زبانوں سے الفاظ کا چناؤ کر کے اس زبان کی بنیاد پڑی، اسی لئے اس زبان پر کافی تنقید بھی کی گئی اور اسے کئی نام بھی دیئے گئے لیکن اس کے باوجود اس نئی تخلیق کردہ زبان نے اپنا لوہا منوالیا اور آزادی پاکستان کے بعد اسے قومی زبان کا درجہ دیا گیا لیکن اس کے باوجود اس کے ساتھ ہمارا برتاؤ اپنوں جیسا نہیں ہوا جس کی ایک اہم وجہ انگریزوں کا وہ تاثر جو کہ ہم اپنے ساتھ لے کر آئے وہ ہم پر اتنا حاوی ہوا کہ ہم اس بات میں شرم محسوس کرتے کہ کسی محفل میں اردو کی بجائے انگریزی میں بات کرنے کو ترجیح دیتے ہیں اور آج کے دور میں بھی یہ تاثر اتنا زور پکڑتا جا رہا ہے کہ ہم پر اس ادارے، اس جگہ یا اس فرد کو زیادہ معتبر سمجھتے ہیں جو انگریزی بولتا ہو، کیا یہ معیار کا پیمانہ درست ہے؟ ہرگز نہیں۔۔ معیار تہذیب سے پرکھا جاتا ہے اور تہذیب میں زبان کا اہم کردار ہوتا ہے۔ زبان کے حوالے سے ایک حکیم کا قول ہے کہ ”غیر اقوام کے لوگوں کو اپنی زبان میں اس طرح جذب کر لینا کہ اپنے اور غیر میں امتیاز نہ رہے، بلاشبہ مشکل ہے لیکن غیر زبان کے الفاظ کو اپنی زبان میں اس طرح جذب کر لینا کہ معلوم تک نہ ہو کہ یہ غیر ہیں اس سے بھی زیادہ مشکل کام ہے“۔ اور یہ استعداد اردو زبان میں باکمال درجہ موجود ہے۔ (ماخذ خطبات عبدالحق)

ماہرہ شعیب لیکچرار

بلاشبہ کسی زبان کو اپنانا کوئی معیوب بات نہیں لیکن اس کے رنگ میں رنگ جانا درست نہیں کیونکہ ہمارا وقار ہماری زبان ہماری تہذیب ہے۔ اس حوالے سے گزارش ہے کہ اپنی زبان کی اہمیت کو ہر پلیٹ فارم پر اجاگر کرنے میں اپنا کردار ادا کریں اسے اپنی ذمہ داری سمجھیں یہ بزرگوں کا دیا وہ تحفہ ہے جس کی حفاظت ہم پر فرض ہے۔

اس امید کے ساتھ کہ۔۔۔

سارے عالم پھیلی خوشبو دیکھی
ہر لہجے میں مہکتی اردو دیکھی

بابائے اُردو مولوی عبدالحق

20 اپریل 1870 تا 16 اگست 1961 تک کا مختصر احوال

دنیا میں مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں، ہر زبان کی اپنی ہی اہمیت ہوتی ہے۔ دنیا میں بولی جانے والی زبانیں مختلف طریقوں سے وجود میں آئی ہیں۔لہٰذا جس طرح بہت سی دیگر زبانیں انسانوں نے خود تخلیق کی ہیں اسی طرح اردو زبان بھی برصغیر کے مسلمانوں نے خود تخلیق کی اور اسے مسلمانوں کیلئے ورثہ قرار دیا۔ مولوی عبدالحق صاحب کو اردو ادب کی ترقی اور ترویج میں ان کی کامیابیوں کے لئے انہیں سرکاری طور پر بابائے اردو کہا جاتا ہے۔ انجمن ترقی اردو پاکستان کی ایک اہم فکری تنظیم ہے جسے پاکستان میں دانشوروں، ماہرین تعلیم اور اسکالرز کے نزدیک بہت زیادہ عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے، یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ مولوی عبدالحق صاحب اردو زبان کے ذریعے مسلمانوں کو متحد کرنے کا سبب بنے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو ادب کے لئے ان کی بے لوث خدمات کے اعتراف میں پاکستان پوسٹ نے 16 اگست 2004 کو اپنی ''مین آف لیٹرز'' سیریز میں ان کے اعزاز میں ایک یادگاری ڈاک ٹکٹ بھی جاری کیا تھا۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق 20 اپریل 1870 کو ہندوستان میں ہاپور ضلع میرٹھ (ہاپور ضلع جواب اتر پردیش کے نام سے پکارا جاتا ہے) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی۔ پھر میرٹھ میں پڑھتے رہے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے 1894 میں B-A کی ڈگری حاصل کی۔ علی گڑھ میں وہ سرسید احمد خان کی صحبت میں رہے۔ان کی آزاد خیالی اور روشن دماغی کا

آصف رفیق

مولانا کے مزاج پر گہرا اثر پڑا۔اس کے علاوہ مولوی صاحب جن کی صحبت میں رہے ان میں شبلی نعمانی، راس مسعود، محسن الملک، سید محمود، تھامس واکر آرنلڈ اور بابو کھرجی شامل ہیں۔ گریجویشن مکمل کرنے کے بعد مولوی عبدالحق صاحب حیدرآباد دکن چلے گئے جہاں انہوں نے خود کو اردو سیکھنے، پڑھانے، ترجمہ کرنے اور اپ گریڈ کرنے کے لئے وقف کر دیا۔ مولوی عبدالحق سرسید احمد خان کے سیاسی اور سماجی خیالات سے بہت متاثر تھے اور ان ہی کی خواہش پر انہوں نے انگریزی اور سائنسی مضامین سیکھے تھے۔ اردو زبان نے ہندوستان کے مسلمانوں کی زندگی اور شناخت پر ایک بڑے ثقافتی اور سیاسی اثرات مرتب کئے ہیں۔ مولوی عبدالحق نے برطانوی راج کے تحت انڈین سول سروس میں شمولیت اختیار کی۔ انہوں نے دہلی کے محکمہ داخلہ میں چیف مترجم کے طور پر بھی کام کیا۔ وہ مرکزی صوبوں کے علاوہ اورنگ آباد میں اسکولوں کے صوبائی انسپکٹر کے طور پر تعینات رہے پھر انہیں اسی سال آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا سیکریٹری مقرر کر دیا گیا جس کی بنیاد سرسید احمد خان نے 1886 میں مسلم معاشرے میں تعلیم اور دانشوری کے فروغ کے لئے رکھی تھی۔ سرسید احمد خان نے 1903 میں علی گڑھ میں انجمن ترقی اردو کی بنیاد رکھی جس کے پہلے صدر تھامس واکر آرنلڈ تھے اور شبلی نعمانی پہلے سیکرٹری تھے۔ 1912 میں مولوی عبدالحق انجمن کے سیکرٹری مقرر ہوئے۔ ان کی زیر نگرانی تنظیم نے بہت ترقی کی اور متعدد رسالے بھی شائع کئے۔ اس کے علاوہ سائنس اور اردو زبان پر بھی رسالے شائع کئے۔ اسی دوران انہوں نے عثمانیہ کالج (اورنگ آباد) کے پرنسپل کے طور پر بھی خدمات انجام دیں اور 1930 میں اس عہدے سے ریٹائر ہوگئے۔ مولوی عبدالحق 1917 میں

ریاست حیدرآباد عثمانیہ یونیورسٹی کے قیام کے بعد یونیورسٹی میں پڑھانے اور اس کی تعمیر میں مدد کے لئے ریاست حیدرآباد چلے گئے۔ اس یونیورسٹی میں تمام مضامین اردو میں پڑھائے جاتے تھے۔ مولوی عبدالحق کے زیر نگرانی بہت جلد یہ ادارہ اردو اور فارسی ادب کا سرپرست بن گیا۔ وہ شعبہ اردو کی فیکلٹی کے چیئرمین بھی رہے، وہ حیدرآباد کی فکری زندگی میں ایک ادبی نقاد اور ادیب کے طور پر ابھرے۔ انہوں نے اردو شاعری کے ساتھ ساتھ لسانیات، اسلام، تاریخ، سیاست اور فلسفہ پر مقالے بھی شائع کئے۔ مولوی عبدالحق ایک علمی نقاد تھے جنہوں نے اپنے طلباء کو ادبی مہارتوں اور اردو کی تعریف کرنے کی ترغیب دی۔ عبدالحق صاحب انجمن حمایت اسلام میں بھی سرگرم رہے، جو دانشوروں کی ایک مسلم سماجی و سیاسی تنظیم تھی۔ جس کی بنیاد 1903 میں اردو کے اسکالرز، دانشوروں اور طلباء کے ایک گروپ نے رکھی تھی اور پھر وہ قائداعظم محمد علی جناحؒ کی قیادت میں آل انڈیا مسلم لیگ میں شامل ہوگئے۔ قیام پاکستان کے بعد 1948 میں مولوی عبدالحق ہجرت کر کے پاکستان آ گئے۔ دریں اثنا 1947 میں ہجرت اور اس کیساتھ ہونے والے فسادات کے نتیجے میں ان کی زیادہ تر جائیداد خصوصاً قیمتی نسخے، کاغذات اور کتابیں ضائع ہوگئیں تھیں۔ ہجرت کرنا ایک مشکل مرحلہ تھا جس کے باعث ان کی صحت بھی متاثر ہوئی۔ بعدازاں انہوں نے کراچی میں انجمن ترقی اردو کو دوبارہ منظّم کیا اور مختلف جرائد کا اجراء کیا، لائبریریاں اور اسکول قائم کئے، بڑی تعداد میں کتابیں بھی شائع کیں اور تعلیم کو فروغ دیا۔ مولوی عبدالحق صاحب نے اردو زبان ترویج کیلئے بہت کام کیا ہے۔ انہوں نے ادبی روایات کو محفوظ بنانے میں بہت مدد کی اردو زبان کیلئے ان کی خدمات بہت اہم ہیں۔ یہی وجہ تھی قیام پاکستان کے بعد ''اردو'' کو پاکستان کی سرکاری زبان کا درجہ دیا گیا۔ مولوی عبدالحق صاحب بیماریوں اور خرابی صحت کے باوجود تمام تعلیمی سرگرمیوں کیلئے اردو کے فعال کو فروغ دیا۔ تعلیمی اداروں میں تمام مضامین کی تدریس کا ذریعہ اور 1959 میں قومی اردو کانفرنس کے انعقاد کیلئے بھی کام کیا۔ کینسر کے مرض میں مبتلا جناب مولوی عبدالحق صاحب 16 اگست 1961 کو کراچی میں طویل عرصے تک معذوری کے بعد انتقال کر گئے۔ کیونکہ مولوی عبدالحق صاحب کی دلی خواہش تھی اردو یونیورسٹی قائم ہو اور پھر ایسا ہی ہوا۔ کیونکہ انہیں اردو سے گہرا لگاؤ تھا بلکہ ان کا سب کچھ اردو ہی تھا لہٰذا ان کی دلی خواہش کے مطابق ان کی آخری آرام گاہ بھی وفاقی اردو یونیورسٹی کے ''عبدالحق کیمپس'' میں بنائی گئی۔

اُردو کا مُجاہد

شبنم امان

آقائے اردو، دانائے اردو، بابائے اردو نے زبان اردو کو اپنی بندگی سے زندگی و روشنی دی بلکہ اپنی منفرد کاوشوں سے مجاہد اردو کہلائے۔ برسرِ اقتدار خوابیدہ لوگوں کو پل پل جگاتے رہے۔ اردو کی تعمیر سے اردو کی تقدیر بدل ڈالی۔

بابائے اردو مولوی عبدالحق سے میری محبت اور عقیدت فطری ہے۔ ان کے خوابوں کی تعبیر اردو کالج سے وفاقی اردو یونیورسٹی کا سفر ہی تھا جس نے آج مجھے اسکالر بنا دیا۔ مجھے فخر ہے کہ میں نے آقائے اردو کے گہوارے سے ہی تحقیق و تنقید کا راستہ اپنایا بلا شبہ بدلتی تہذیب اور تغیر پذیر ادب کو مولوی صاحب نے اپنے تدبر سے سنبھالا دیا۔ زبان و ادب سے رسمی محبت اور جعلی ناموری شہرت کی بجائے عقیدت سے اردو کے محافظ بن گئے۔ مولوی صاحب سے عقیدت کی ایک اور وجہ یہ بھی ہے کہ ادب کے بنے بنائے سانچے میں جب اردو کے عظیم جاسوسی ناول نگار ابن صفی پر ہر طرف سے تنقید ہو رہی تھی تو سب سے پہلے مولوی عبدالحق نے آواز بلند کی اور کہا:

''بلاشبہ ابن صفی وہ ناول نگار ہے جس کا اردو پر بڑا احسان ہے''۔

ابن صفی کے لئے مولوی صاحب کے یہ الفاظ ناقد ابن صفی سنہری الفاظ میں لکھتے ہیں۔ مولوی صاحب محقق، نقاد، مفکر، زبان دان،، موقع نگار، انشاء پرواز ہونے کے ساتھ ساتھ جامع الصفات اور کثیر الجہت شخصیت تھے۔ سرسید کے مشن کی تکمیل میں پیش پیش رہے بلکہ پاکستان میں انہیں سرسید ثانی کہنا چاہئے۔ سرسید اور حالی کے اس ادبی وارث نے کیا کچھ نہیں کیا۔ عنفوانِ شباب میں ہی تہذیب الاخلاق کے مطالعے نے ادبی اور فکری شعور کو بالیدگی عطاء کی بلکہ مشن کی تکمیل کے لئے قوم سے کس طرح تعاون کیا جائے اس کا سلیقہ بھی مولوی صاحب نے سرسید سے سیکھا۔ قیام پاکستان کے بعد ٹوٹے دل اور ٹوٹے حوصلے کے ساتھ پرانی انجمن کے منتشر اجزاء کو سمیٹ کر مالی وسائل کی عدم موجودگی میں انجمن قائم کی۔ اردو کالج کی بنیاد ڈالی، رسائل و مطبوعات جاری کئے۔ الحاق کے مسئلے پر سندھ یونیورسٹی کے سامنے ڈٹ گئے اور وفاقی اردو یونیورسٹی کی تجویز پر ڈٹ گئے۔ اسی طرح انجمن کی انجمن آرائی کے لئے صدر ایوب سے بھرپور معاونت حاصل کی۔ مولوی صاحب آخری عمر تک یکسوئی سے مستعد رہے اس کی مثال نہیں ملتی۔ وہ اپنی ذات میں ادارہ تھے۔

تحریک اردو کو مقبول بنایا بلکہ اس کے قدیم و جدید سرمائے سے لوگوں کو آشنا کیا۔ ان کی بے شمار تالیفات اس تحریک کا حصہ ہیں۔ تحقیق کے میدان میں ٹھوکر کھانے کے باوجود ان کی اہمیت مسلم ہے، تاریخی و ادبی کتب کی بازیابی اور ان کی دوبارہ اشاعت ان کے اسی مشن کا حصہ ہے۔ ان کی خاکہ نگاری ہو، مقدمہ نگاری ہو، تبصرہ، تنقید ان کی روشن خیالی کی دلیل ہے۔ خاکہ نگار کی حیثیت سے چند ہم عصر ادب میں کلاسیکی کا درجہ رکھتی ہے۔ واقعات کی مصوری سے آدمی کے کردار اور شخصیت کے پوشیدہ پہلوؤں کو نمایاں کر دیتے ہیں۔ مولوی صاحب کی سرسید سے مماثلت صرف انجمن اور اردو یونیورسٹی کی بناء پر ہی نہیں ہے بلکہ اس سے آگے ہے، انجمن سے سہ ماہی رسالہ جاری کیا اس کے بعد دو ماہی رسالہ معاشیات اور سائنس بھی جاری کیا۔ لیتھو کے بجائے اردو ٹائپ کی چھپائی بھی ان کا کارنامہ ہے۔ انجمن کے زیر اہتمام ہفتہ وار اردو اخبار ''ہماری زبان'' بھی جاری کیا۔ آکسفورڈ انگلش ڈکشنری کا ترجمہ بھی ان کی محنت کا ثمر ہے۔ اردو کو پاکستان کی قومی زبان بنانے کا خواب پورا ہوا۔ ان کا لسانی شعور ان کے قومی شعور سے پوری طرح ہم آہنگ تھا۔ اردو زبان کے علمی و اصطلاحی دامن کو مالا مال کیا۔ زبان اردو کے مشاہیر اہل قلم کی مختلف رسائل و جرائد میں بکھری ہوئی نگارشات کو ڈھونڈ کر مجتمع کر کے قارئین کے سامنے پیش کرنا ان کی بڑی ادبی خدمت ہے۔ مقالات عبدالحق اور خطابات عبدالحق کا تحقیقی، تنقیدی، لسانی مواد، باغِ اردو کا حسین گل دستہ ہے۔ جسے پڑھ کر ان کی کوئی عالمانہ سوچ اور وسعت نظر کا اندازہ ہوتا ہے کہ اردو کی ترویج کے لئے بیش بہا مسائل پر عالمانہ گزارشات پیش کیں۔ اردو رسم الخط کے لئے جو کاوش کی کوئی دوسرا نہ کر سکا۔ مقدمہ نگاری کو اعلیٰ فن بنا دیا۔ شخصیت نگاری کو فن کی بلندی عطاء کی۔ جدید تحقیق کے لئے نادر و نایاب کتب کی اشاعت کی۔ کانفرنس، خطبات، تحریر، تقاریر مضمون نویسی کو خاص لہجہ عطاء کر کے سادگی فن سے آراستہ کیا۔ دو جلدوں پر ''لغت کبیر'' شائع کرنے والے جامع الصفات شخص کے کارناموں کو چند سطور میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ بیسویں صدی میں اردو کے سب سے بڑے وکیل مولوی عبدالحق نے اردو کو قومی زبان بنانے میں بلا اختلاف مذہب و ملت، تہذیب و تمدن کی مشترکہ زبان قرار دیا۔ صوبائی زبانوں میں سندھی اردو اشتراک کے حوصلے سے صرف و نحو کی مماثلت کا ذکر بڑی محبت سے کرتے ہیں۔

بلاشبہ مولوی صاحب نے زندگی کی ہر سانس، ہر لمحہ، ہر پل اردو کی ترویج و ترقی کے لئے وقف کر دیا۔ انہیں شکوہ تھا لوگ انہیں لڑاکا کہتے ہیں مگر انہوں نے ساری زندگی اردو کو اس کا حق دلانے کے لئے کبھی غیروں سے تو کبھی اپنوں سے لڑائی لڑی۔ یہ ہی ان کا المیہ بھی ہے اور شخصیت کی انفرادیت بھی وہ اردو کے مجاہد تھے۔ اب اردو اپنے معماروں کی منتظر ہے۔

اُردو ادب کے محسن مولوی عبدالحق

مولوی عبدالحق اردو ادب کی ایک ہمہ جہت شخصیت ہیں۔ تحقیق، تدوین، تنقید، خاکہ نگاری، انشاء پرداری اور ادارت میں مولوی صاحب کا کوئی ثانی نہیں۔ جس یکسوئی کے ساتھ مولوی صاحب نے اردو کی خدمات انجام دیں اس کا ہی ثمر ہے کہ اردو انتہائی قلیل وقت میں ترقی یافتہ ادب کا مقابلہ کرنے کے قابل ہوئی۔

ڈاکٹر نادیہ

مولوی صاحب کا تعلق کائستھ قبیلے سے تھا۔ شاہجہاں کے دور میں ان کے آباؤ اجداد مشرف بہ اسلام ہوئے۔ مولوی صاحب نے اپنی تعلیم علی گڑھ سے مکمل کی۔ علی گڑھ کا وہ دور علی گڑھ کے عروج کا دور تھا۔ یہاں آ کر مولوی صاحب کی فکری صلاحیتوں کی آبیاری ہوئی۔ حصول تعلیم کے ساتھ ساتھ انہیں دو تنظیموں ''فرض'' اور ''اخوان الصفاء'' میں سر ٹامس آرنلڈ کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا۔ سرسید نے بھی آپ کی صلاحیتوں کا اندازہ لگاتے ہوئے آپ کو اپنے ذاتی کتب خانے سے استفادہ کرنے کی اجازت دی اور ساتھ ہی انہیں تہذیب الاخلاق میں کام کرنے کی پیش کش کی۔ اس طرح مولوی صاحب کی ادبی زندگی کا آغاز ہوا۔ سرسید ہی کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے مولوی صاحب نے خود کو ادب کے لئے وقف کر دیا تھا۔ مولوی صاحب کی ادبی خدمات کا ایک سرسری جائزہ لیں گے۔

مولوی صاحب کو بطور محقق دیکھا جائے تو اردو کا دکنی ادب اب تک مخفی تھا مولوی صاحب نے انہیں دریافت کیا۔ سب رس، قطب مشتری، دکنی شعراء کے دواوین، تذکرے، باغ و بہار، رانی کیتکی، اردو کی نشونما میں صوفیاء کرام کا حصہ اور مرحوم دلی کالج وغیرہ، غرض نظم ونثر کی درجنوں کتب مولوی صاحب کی تحقیق کا نتیجہ ہیں۔

ترتیب و تدوین کے زمرے میں مولوی صاحب نے دریافت کئے گئے ادب پاروں کو نئے سرے سے ترتیب دے کر اس کو پر معز مواد کے ساتھ شائع کروایا۔ ان ادبی پاروں میں مخطوطے، تذکرے، شعری دواوین اور نظم ونثر کی متعدد کتابیں ہیں۔ تذکروں میں تذکرہ ہندی، عقد ثریا، ریاض الصفحا، چمنستان شعراء، مخزن نکات، ریختہ گویاں، مخزن شعراء، نکات الشعراء ہیں جبکہ دواوین میں دیوان اثر، دیوان تاباں ہیں دیگر کاموں میں قطب مشتری، سب رس، باغ و بہار، رانی کیتکی وغیرہ کو بھی مولوی صاحب نے مقدمے کے ساتھ مکمل تفصیلات کے ساتھ شائع کروایا۔

لسانی حوالے سے مولوی صاحب نے زبانوں کے خاندان، ان کی پیدائش اور ارتقاء کے حوالے سے تحقیق پیش کی۔ اس باب میں بہت سے مقالات ہیں ان کے علاوہ ''قواعد اردو'' لغت کبیر، میرٹھی زبان پر فارسی کا اثر اہم کتب ہیں۔

مولوی صاحب نے خاکہ نگاری میں بھی نام کمایا۔ چند ہم عصر مولوی صاحب کے خاکوں کی کتاب ہے جو کہ چوبیس خاکوں پر مشتمل ہے۔ اس میں ان کے ہم عصر دوستوں اور احباب کی زندگی کی تفاصیل بیان کی ہیں۔

بطور مدیر مولوی صاحب نے کئی مجلوں کی ادارت علمی و ادبی، تحقیقی اور نقشبندی مجلّے جاری کئے ہیں اور اردو زبان و ادب کے شروع میں کارہائے نمایاں انجام دیئے، ''اردو'' اور ''قومی زبان'' اس میں نمایاں ہیں۔

مولوی صاحب نے مختلف وقتوں میں مختلف موضوعات دیئے اور یہ خطبات صرف اردو زبان کے لئے ہی محدود نہیں تھے بلکہ دیگر زبانوں میں بھی آپ کا گہرا مطالعہ تھا۔ آپ نے دیگر زبانوں کا بھی وسیع مطالعہ کیا تھا اور یہ خطبات اسی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

مولوی صاحب کی زندگی بھر کی ادبی خدمات کا جائزہ لیا جائے تو مولوی صاحب کا بیش بہا کام ہے، مولوی صاحب کا سارا کام نہایت سادہ اور سلیس زبان میں ہے اور مولوی صاحب نے بڑی محبت سے ادب کی بے لوث خدمات انجام دی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا آپ کو بابائے اردو کے نام سے جانتی ہے اور اردو ادب پر آپ کے بڑے احسانات ہیں جو رہتی دنیا تک قائم رہیں گے۔

چپہ چپہ پہ ہیں یاں گوہر یکتانہ خاک
دفن ہوگا نہ کہیں ایسا خزانہ ہرگز

ہم جب بھی اردو زبان کی بقاء واستحکام کی بات کرتے ہیں تو ایک جیداردو مولوی عبدالحق کا نام ہمارے سامنے آجاتا ہے۔اردو زبان اور مولوی عبدالحق لازم وملزوم رہے ہیں۔شعور کی منزلوں پہ قدم رکھتے ہی وہ ایک وفادار سپاہی کی طرح محاذ اردو پہ ڈٹ گئے تا وقت یہ کہ موت نے انہیں بے بس نہ کردیا۔

ڈاکٹر یاسمین سلطانہ

مولوی عبدالحق نے نظریے کو سمجھنے کے لئے ہمیں ان کی پیدائش سے تین سال پہلے 1867ء میں جانا ہوگا جب ہندوؤں نے بنارس میں اردو کی جبکہ دیوناگری رسم الخط کا مطالبہ کرکے وہ قومی نظریے کی بنیاد رکھ دی اور سرسید کو یقین ہوگیا کہ ہندو مسلم دو الگ قومیں ہیں یہ کبھی ساتھ نہیں چل سکتے۔جہاں اردو زبان کو مٹانے کی سازشیں شروع ہوئیں وہیں اردو کی بقاء کے لئے محبان اردو میدان جنگ میں اتر پڑے۔

اردو زبان و مسلم قوم کی بقاء کیلئے مرتے دم تک انہوں نے جو کچھ کیا ہم سب ان کوششوں سے اچھی طرح واقف ہیں لیکن ان کی کوششوں پر مولوی عبدالحق کی بڑی گہری نظر تھی انہیں اردو زبان کی اہمیت کا اندازہ ہوگیا تھا اپنے ایک خطبہ میں انہوں نے فرمایا:

’’جس قوم کی کوئی ایک زبان نہیں وہ قوم نہیں اور جس ملک کی کوئی ایک زبان نہیں وہ ملک نہیں‘‘۔

مولوی عبدالحق نے بھی سرسید کے نصب العین کو اپنایا اور اس کو اپنا مقصد بنایا یعنی ’’اردو زبان و ادب کی خدمت‘‘ سرسید کے انتقال کے بعد مولوی عبدالحق کو اردو کی خدمت کرنے کا بھرپور موقع مل گیا حیدرآباد دکن جیسی اردو نواز سرزمین میں ملازمت ملنا ہی ان کے مشن کا آغاز تھا۔جہاں ایک مدرس اور اورنگ آباد کالج کے پرنسپل رہنے کے بعد عثمانیہ یونیورسٹی میں شعبہ اردو کے صدر مقرر کئے گئے جہاں اردو ذریعہ تعلیم بنانے میں بھی ان کی کوششیں شامل تھیں یہاں انہوں نے قدیم اردو کے مخطوطات کی تلاش اور ان کی اشاعت سے اردو کے مدفون خزانوں کو منظر عام پر لانے کا فریضہ سرانجام دیا۔بہترین کتابیں لکھوائیں اور چھپوائیں۔معیاری رسالے نکالے طلباء کی سہولت کے لئے اردو انگلش ڈکشنری تیار کی۔اس دوران انجمن ترقی اردو کے سیکریٹری منتخب ہوئے تو اس ادارے کو بھی قابل رشک بلندیوں تک پہنچا دیا۔انہوں نے انجمن ترقی اردو کے دفتر اورنگ آباد سے دہلی منتقل ہونے پر 1931ء میں کل ہند انجمن ترقی اردو کانفرنس منعقد کی جس میں اتفاق رائے سے ایک تجویز منظور ہوگئی کہ کم از کم دہلی، پنجاب، علی گڑھ، الہ آباد اور پٹنہ یونیورسٹی میں جلد از جلد اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ اردو قرار دی جائے۔لیکن سیاسی خلفشار کی وجہ سے کامیابی کی صورت پیدا نہ ہوسکی تو مولوی عبدالحق نے یہ طے کیا کہ انجمن ترقی اردو ہند کے انتظام میں برطانوی ہند کے کسی موزوں مقام پر ایک اردو یونیورسٹی قائم کی جائے۔چنانچہ 20 جنوری 1940ء کو تیسری کل ہند انجمن ترقی اردو کانفرنس ناگپور کے کھلے اجلاس میں اردو یونیورسٹی کے قیام کی تجویز اتفاق رائے سے پاس ہوگئی۔ان کی اس تجویز کو قائداعظم کی حمایت حاصل تھی اس لئے نومبر 1947ء میں وہ تن تنہا پاکستان پہنچ گئے اور قائداعظم کی وفات کے بعد بھی ان کے حوصلے پست نہ ہوئے۔انہوں نے

حضرات کی مدد سے اردو کالج قائم کر دیا س کالج نے 25 جون 1949ء سے باقاعدہ کام شروع کیا اور 2 سال بعد ہی کالج میں ایم اے تک تعلیم دی جانے لگی لیکن ذریعہ تعلیم اردو ہی رہا۔ یہاں آرٹس سائنس، کامرس، لاء کے شعبوں میں یونیورسٹی کے تمام مضامین اردو میں پڑھائے جانے لگے۔ اردو کالج میں اردو زبان میں تمام مضامین کی تدریس اور اردو یونیورسٹی کا قیام عبدالحق کا خواب تھا اور اس کے اعتراف میں وہ لکھتے ہیں:

''میرے سامنے ایک مقصد ہے اور اس مقصد کی تکمیل ہی میری زندگی کا حاصل ہے اور مقصد ہے جلد سے جلد اردو یونیورسٹی کا قیام......میں اب زندگی کی اس منزل میں ہوں جہاں کام سے زیادہ آرام کی ضرورت ہوتی ہے لیکن اردو یونیورسٹی کا قیام اب میری زندگی کا مشن ہے اور اس مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کیلئے میں سب کچھ کرنے کو تیار ہوں چاہے مجھے کتنی ہی تکلیف کیوں نہ پہنچے......اردو یونیورسٹی بن کر رہے گی یہ خود قاضاو قدر کا سنتا ہے سوال دیر سویر کا ہے''۔

1963 میں گلشن اقبال کراچی میں جگہ حاصل کر کے اردو سائنس کالج کی بنیاد رکھی گئی۔ یکم ستمبر 1972ء کو حکومت سندھ اور یکم مئی 1974 کو وفاقی حکومت نے دونوں کالجوں کو اپنی تحویل میں لے کر بورڈ آف گورنر مقرر کر دیئے۔ 80ء کی دہائی میں جنرل ضیاء الحق کے دی گئی خطیر گرانٹ سے عمارت کی تعمیر ممکن ہوئی اس کے بعد صدر پرویز مشرف نے 2002ء میں وفاقی اردو یونیورسٹی کا درجہ دے کر بابائے اردو کے خواب کو تعبیر بخشی۔ اب یہاں سائنس، آرٹس، کامرس اور ٹیکنالوجی کے شعبوں میں بی ایس سے پی ایچ ڈی تک تعلیم کا سلسلہ جاری ہو چکا ہے۔ یہاں سے ہزاروں کی تعداد میں طلباء فارغ التحصیل ہو کر مختلف شعبہ جات میں اپنی خدمات پیش کر رہے ہیں۔

وفاقی اردو یونیورسٹی پاکستان بھر کی وہ واحد یونیورسٹی ہے جس کا ذریعہ تعلیم اردو ہے اور اس کی پذیرائی کا اندازہ ہم اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ پاکستان بھر سے طلباء یہاں داخلے کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ بابائے اردو کا خواب تعمیر پا کر بھی ادھورا ہے۔ سوان کی شدید خواہش تھی کہ پاکستان بھر کے مختلف شہروں میں جامعہ عثمانیہ اور دہلی کالج کے طرز پر یونیورسٹی قائم ہو جہاں کے فارغ التحصیل طلباء بحیثیت ڈاکٹر، انجینئر، قانون دان، سائنسدان اور فنون کی دنیا میں اپنی شناخت منوا سکیں۔ یہاں سائنس و ٹیکنالوجی کے حوالے سے نئ تحقیق سامنے آئے گی۔ سماجیات و سیاسیات کے نئے نظریات سامنے آئیں گے۔ ہمارے طلباء صنعت و تجارت کی نئ راہیں تراشیں گے غرض اردو یونیوسٹی ڈگریاں بانٹنے والی مشین نہیں بلکہ جدید سوچ و رجحان کو پروان چڑھانے والا ادارہ بنتا ہوا دیکھنا چاہتے تھے۔ انتظامیہ، اساتذہ و طلباء اس خواب کی تعمیر کے لئے اپنی تمام تر صلاحیتیں بروئے کار لا رہے ہیں دیگر وسائل کی کمی ان کی ہمت توڑ دیتی ہے ہونا تو یہ چاہئے کہ یونیورسٹی میں شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ کے ادارے کو فعال کیا جائے مختلف زبانوں کے جدید علوم کے اردو میں تراجم کئے جائیں۔ جدید تحقیق پر مبنی رسائل و جرائد کی ترسیل ممکن بنائے اور ان کے تراجم بھی کئے جائیں۔ شعبہ جاتی لائبریری میں متعلقہ کتب کی فراہمی کو یقینی بنایا جائے۔ مگر افسوس کہ ارباب اختیار اس حوالے سے مناسب منصوبہ بندی کرنے سے قاصر نظر آ رہے ہیں اور قومی زبان کے نام پر بننے والی واحد یونیورسٹی ترقی کے بجائے تنزلی کا شکار ہوتی جا رہی ہے۔ بہر حال مولوی عبدالحق نے اردو کی ترویج و اشاعت اور اس کی بقاء کے لئے ایک طویل جنگ لڑی ہے اور اس زبان کو اپنی اہمیت کا احساس دلایا ہے آگے کی جنگ اب محبان اردو کو لڑنی چاہئے چلتے چلتے ایک بات کہنا چاہوں گی کہ، کاش ایک اور مولوی عبدالحق پیدا ہو جاتا تو آج اردو سرکاری زبان کی حیثیت سے رائج ہو جاتی اور وفاقی اردو یونیورسٹی کو بھی اس کا اصل مقام حاصل ہو جاتا۔

مگر.......... بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

شیخ الجامعہ پروفیسر ڈاکٹر اطہر عطاء کا بابائے اُردو مولوی عبدالحق کی 61 ویں برسی پر خطاب

’’بابائے اردو نے اردو زبان کی ترویج و ترقی کے لئے اپنی پوری زندگی وقف کردی۔ اردو کالج کا قیام اسی سلسلے کی اہم کڑی تھا جواب جامعہ اردو کی شکل میں سب کے سامنے ہے‘‘، ان خیالات کا اظہار وفاقی اردو یونیورسٹی کے شیخ الجامعہ پروفیسر ڈاکٹر اطہر عطاء نے بابائے اردو مولوی عبدالحق کی 61 ویں برسی کے موقع پر جامعہ اردو اور انجمن ترقی اردو کے اشتراک سے ہونے والی تقریب میں بذریعہ آن لائن خطاب کیا۔ انہوں نے کہا کہ اردو دنیا کی عظیم زبانوں میں سے ایک ہے۔ اس کی فروغ کیلئے جدید ٹیکنالوجی سے مدد لی جاسکتی ہے۔ جامعہ اردو ، دراصل بابائے اردو کے خواب کا عکس ہے جس کی ترقی کے لئے ہم سب کو مل کر سخت جدوجہد کرنا ہوگی۔ ڈپٹی چیئر سینیٹ اے کیو خلیل نے کہا کہ ہمارے ملک میں دہرا تعلیمی نظام ہونے کے باعث اردو زبان کی ترویج رک گئی ہے۔ قومی زبان کے فروغ کے لئے حکومتی رویہ بھی سرد مہری کا شکار ہے۔ جامعہ اردو کو ہم سب مل کر مثالی ادارہ بنائیں گے۔ پروگرام میں انجمن ترقی اردو کے صدر واجد جواد، رئیس کلیہ فنون پروفیسر ڈاکٹر محمد ضیاء الدین، ڈائریکٹر شعبہ تصنیف و تالیف ڈاکٹر یاسمین سلطانہ، صدر انجمن اساتذہ ڈاکٹر فیصل جاوید اور عابد رضوی نے بھی خطاب کیا جبکہ قائم مقام رجسٹرار پروفیسر ڈاکٹر زرینہ علی، ٹریژرار عاصم بخاری، رئیس کلیہ سائنس پروفیسر ڈاکٹر محمد زاہد، صدر غیر تدریسی ملازمین ایسوسی ایشن عدنان اختر، اساتذہ اور غیر تدریسی ملازمین کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔ پروگرام کی میزبانی کے فرائض ڈاکٹر رضوانہ جبین نے سرانجام دیئے۔

انجمن ترقی اردو کے صدر سینیٹر واجد جواد نے اس موقع پر کہا کہ انجمن باقائدگی سے اردو کانفرنسز، سیمینارز کا انعقاد، کتابوں کے تراجم اور ادبی و تحقیقی جرائد کی اشاعت کررہی ہے۔ انجمن میں گوشہ بابائے عبدالحق موجود ہے جہاں ان کے مخطوطات و دیگر اشیاء موجود ہیں۔ اس کے علاوہ این ای ڈی یونیورسٹی کے تعاون سے مصنوعی ذہانت کی مدد سے اردو زبان کے بولنے والا سوفٹ ویئر پر بھی کام ہورہا ہے۔ جامعہ اردو کے لئے ہمیشہ انجمن کا بھرپور تعاون جاری رہے گا۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد ضیاء الدین نے کہا کہ طلبہ میں اردو زبان سے دلچسپی پیدا کرنا ہوگی اس مقصد کیلئے اردو زبان میں مضمون نویسی ، ڈرامہ نگاری اور شاعری کے مقابلے کرائے جاسکتے ہیں۔ ڈاکٹر یاسمین سلطانہ نے کہا کہ ہمارے ملک میں اردو کی ترویج کیلئے مناسب کام نہیں ہورہا ہے۔ اس ضمن میں کتابوں کے اردو تراجم کی اشد ضرورت ہے۔ ڈاکٹر فیصل جاوید نے کہا کہ بابائے اردو کا خواب پورا کرنے کیلئے ضروری ہے کہ جامعہ اردو کی ترقی کیلئے عملی اقدامات کئے جائیں، شیخ الجامعہ پروفیسر ڈاکٹر اطہر عطاء کی قیادت میں جامعہ اردو کے مسائل کے حل کا آغاز ہوچکا ہے۔ انہوں نے جامعہ میں بابائے اردو کے حوالے سے میوزیم کے قیام، سالانہ بنیاد پر اردو میلہ، کانفرنسز اور مشاعرے کے انعقاد کی تجویز پیش کی۔ تقریب سے قبل ڈپٹی چیئر اے کیو خلیل، صدر انجمن ترقی اردو واجد جواد، قائم مقام رجسٹرار پروفیسر ڈاکٹر زرینہ علی نے رئیس کلیہ جات، اساتذہ و غیر تدریسی ملازمین کے ہمراہ بابائے اردو مولوی عبدالحق کے مزار پر پھولوں کی چادر چڑھائی اور فاتحہ خوانی کی۔

بابائے اُردو مولوی عبدالحق
تاریخ کے جھروکوں سے

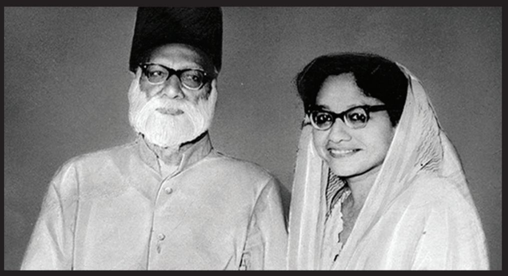

مجلس ادارت: ارم فضل، سیدرئیس جعفری، اظہاراحمد صدیقی

فوٹوگرافی: نقیب الرحمٰن، کمپوزنگ وڈیزائننگ: عبدالرؤف، محمد کامران، شفقت حسین

E-mail:tasnifotalif@fuuast.edu.pk وفاقی اردو یونیورسٹی پاکستان (گلشن اقبال کیمپس کراچی) Ph: 99244141-8 Ext:2033 Dir:99244136